⊙ ڈاکٹر منیر گجر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

⊙⊙ ڈاکٹر سید صفدر حسین
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ سرائیکی، دی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

رانجھا اور ہندوستانی اساطیر

Abstract:

This article is an exertion to trace the commonalities between the characters of dark skinned god Krishna and the protagonist of much loved and celebrated love tale of the sub-continent "Heer and Ranjha". Both challenged the society's stereotypes in almost a same manner. They used the tool of love as a counter narrative to the stringencies of priesthood. Fascination with the dark skinned Krishna had been so awe-inspiring in the sub-continent that even the fair skinned Aryans had to willy-nilly accept him as a god. This article is an effort to comprehend the difference between Aryan concept of Krishna and the indigenous one. The character of water buffalo in Punjabi literature has also been discussed briefly in this context as both had a strapping affiliation with it.

Keywords:

Myth Mythology Ranjha Krishna Punjabi Heer Waris Shah

کالے رنگ کے دلپذیر اور کھلنڈرے دیوتا کرشن کی تہذیبی چھاپ اتنی گہری ہے کہ رانجھے کا کردار کئی حوالوں سے اسی کا اگلا روپ لگتا ہے۔ بانسری بجا کر لوگوں کو اپنا عاشق بنا لینا، رائج رسم و رواج کے آگے ڈٹ جانا، تبدیلی کی کوششیں کرنا اور پریم کا پرچار کرنا ایسی خوبیاں ہیں جو دونوں کے بیچ مماثلت متعین کرتی ہیں۔

کرشن کے لغوی معنیٰ 'کالے' کے ہیں۔ رگ وید ایسے حوالوں سے بھرا پڑا ہے جن میں یہاں کے مقامی لوگوں

کو کالے رنگ والے، دیوی دیوتاؤں کو نہ ماننے والے اور دیوتاؤں کو چڑھاوے نہ چڑھانے والے کہا گیا ہے۔ ہر کالی چیز خواہ وہ کرشن ہو، بھینس ہو یا ہندوستان کا قدیمی باشندہ، ان کا ذکر آریاؤں نے نفرت سے ہی کیا ہے۔ رگ وید میں آریاؤں کے ہر دلعزیز دیوتا اندر کے آگے دیسی لوگوں کے مویشی چھین کر آریاؤں میں تقسیم کرنے، دیسی لوگوں کو جان سے مارنے کی خواہش اور ان کو بھگانے کا ذکر جگہ جگہ دکھائی دیتا ہے:

> "Active and bright have they come forth, impetuous in speed like bulls, Driving the black skin far away. Quelling the riteless Dasyu, may we think upon the bridge of bliss.Leaving the bridge of woe behind".(1)

یہاں پنجاب کے مقامی قبیلے دسیو کے بارے میں بات ہوئی ہے۔ ایک اور جگہ اگنی دیوتا کی شان میں لکھے گئے بھجن میں کالے رنگ والے مقامی قبائل کے ڈر بھاگنے کی بات کچھ ایسے آئی ہے:

> "For fear of thee, forth fled the dark-hued races, scattered abroad, deserting their possessions. When glowing, O vaisvanara, for Puru thou Agni didst light up and rend their cattles." (2)

آریہ جب پنجاب میں آئے تو یہاں کے مقامی قبائل کو لتاڑا۔ سیدھی سی بات ہے کہ حملہ آور کے حملے کا تو مقصد ہی لوٹ مار ہوتا ہے۔ ہڑپا سے ملی مہریں اور سکے بتاتے ہیں کہ سندھ وادی کی تہذیب ترقی کی بلندیوں پر تھی۔ کھدائیوں میں یہاں سے ایک ترقی یافتہ اور بھرپور تہذیب کے بہت سے آثار ملے ہیں پر ہتھیار نہیں۔ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ یہاں کے لوگ اس قدر امن پسند تھے کہ انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار گھڑنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ یہی امن پسندی ان کی دشمن بن گئی۔ یہاں سے ہتھیاروں کے اگر کچھ نمونے ملے بھی ہیں تو وہ صرف جانوروں کا شکار کرنے والے ہی ہیں، حملہ آوروں کو روکنے یا حملہ آور بننے کے قابل نہیں۔ دانشور آج تک اس وقت کا تعین نہیں کر سکے جب آریاؤں نے کالے رنگ کے دیوتا کرشن کو قبول کیا۔ کرشن کو قبول کرنے کے ممکنہ اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مالی طور پر خوشحال ہونے کے لیے آریاؤں کو مقامیوں کے ساتھ چلنا تھا اور ساتھ چلنے کے لیے کرشن کو قبول کرنا ان کی کاروباری مجبوری تھی۔ آریاؤں نے کرشن کو تو قبول کیا پر ڈنڈی یہ ماری کہ اس کے مذہبی تقدس کو گائے کے ساتھ جوڑ کر گائے کے تقدس کو اونچے ستھان پر پہنچا دیا۔ یہیں سے گائے اور بھینس کے حوالے سے تعصّباتی فضا کا آغاز ہوتا ہے۔ ہندومت میں گائے کو کیوں اور کیسے عظمت دی گئی، اس کے بارے میں یہاں کچھ کہنا برمحل ہوگا۔

ہندوؤں کے ہاں دُرگا دیوی بہت بلند مرتبہ دیوی ہے۔ اس کا ایک صفاتی نام مہیش مار دِنی بھی ہے۔ جس کا مطلب ہے بھینسے کو مارنے والی۔ اس کو بھینسوں کا خون پینے والی بتایا گیا ہے وِلکنز کے بقول:

> "Mahishmardini (the Slayer of Mahisha) slew Sumbha

as he attacked her in the form of a buffalo." (3)

ڈاکٹر سعید بھٹا نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے:

''دُرگا دیوی کالے رنگ دے ہک جن سُمبھا نوں مارن دامان پراپت کیتا ہویا ہے، جیہنے سڑھے دا روپ وٹا لیا ہا۔ کالی کھلڑی والے دراوڑاں دے سورمیاں نوں بگی کھلڑی والی آریائی سوچ نال ای نکھدیا گیا اے۔'' (۴)

یوں ہندو دھرم میں بھینس اور گائے، کالے اور گورے کے اس تعصب کا آغاز ہوا جو بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہنچ گیا کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کا دعویٰ کرنے والے ہندوستان میں بے شمار ایسے واقعات ہوئے جو آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بہت مضحکہ خیز دکھائی دیتے ہیں۔ ہندوستان میں براہمن ٹولا بہت طاقتور ہے۔ گائے کی مذہبی عظمت کو برقرار رکھنے اور اسے بڑھاوا دینے کے لیے کوئی بھی ایسی تحریر جس میں بھینس کی تعریف ہو، خواہ وہ کتابی شکل میں ہو یا انٹرنیٹ پر فوراً ہی غائب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ کسی بھی قسم کی مذہبی عقیدت کو ایک طرف رکھ کے دیکھیں تو ں بہت ہی سیدھی اور قابل فہم بات ہے کہ بھینس مالی حوالے سے خوشحالی کی علامت ہے۔ اس کے دودھ کا گاڑھا ہونا، میٹھا ہونا، گھی زیادہ بننا ایسے خواص ہیں جو اسے دودھ دینے والے باقی جانوروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ گائے بھینس کے تعصب کو پیدا کرنے اور بڑھوتری دینے کے پیچھے چھپی براہمن ذہنیت کی بہت سی مثالیں ہندو متھالوجی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ہڑپا کی کھدائی میں ملنے والی مہروں پر بھینس، شیر، ہاتھی اور مگر مچھ کے نقش ملتے ہیں۔ ہڑپا سے گائے کی مہر والا سکہ دریافت نہیں ہوا، ہندو مت میں گائے کی مذہبی اہمیت کیوں ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندو مت کے عقائد کی رو سے براہما نے گائے اور براہمن کو ایک ساتھ پیدا کیا۔ *Hindu Mythology* میں وِلکنز لکھتا ہے:

"The cow, though not regarded as the vahan of any deity, is worshipped too. Brahma is said to have created cows and Brahmans at the same time. The Brahman to officiate at worship, and the cow to provide milk, ghi etc., as offerings, whilst cow-dung is necessary for various purifying ceremonies."(5)

اب جبکہ گائے ہندو مت میں اتنے بلند مرتبے پر فائز ہو چکی تو ضروری تھا کہ اس کی عظمت کو بڑھایا جائے اور بھینس کو کمتر دکھایا جائے، کیوں کہ اس کی کوئی مذہبی وابستگی نہیں تھی۔

بھینس پانی کا جانور ہے۔ پنجاب میں وافر پانی اور کھلی چراگاہیں بھینس کی افزائش کے لیے بہت سودمند تھیں۔ یہاں بہتے دریاؤں کے وسیلے سے ہر طرف ہریالی اور خوش حالی تھی۔ یہاں کے سات دریاؤں کا ذکر آریاؤں نے رگ وید میں بھی کیا:

"Him whose fame spreads between wide earth and

heaven, who as dispenser, gives each chief his portion.

Seven flowing rivers glorify like Indra. He slew

yudhamadhi in close ecounter." (6)

اقوام متحدہ کے ادارے United Nations Food and Agricultural Organization نے 2000ء میں ایک رپورٹ تیار کی جس کی رو سے دنیا میں بھینسوں کی گنتی 158 ملین ہے۔ان میں سے 97% صرف ایشیا میں ہیں (۷)۔اسی ادارے نے ۱۱ر جون ۲۰۰۸ء کو ایک اور رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ بھینس کے دودھ اور اس سے بننے والی اشیاء گھی، پنیر وغیرہ کی پیداوار کے حوالے سے دنیا کے دس بڑے ملکوں میں ہندوستان پہلے اور پاکستان دوسرے نمبر پر ہے (۸)۔ یہاں ان معلومات کے تذکرے کا مطلب یہ ہے کہ آج کے جدید اور مہنگے دور میں جبکہ بھینس رکھنا یا پالنا اچھا خاصا نوابی شوق ہے تو بھی اس خطے میں پائی جانے والی بھینسیں ساری دنیا زیادہ ہیں، جب آریہ آئے ہونگے تو بھینسوں کی گنتی کیا ہوگی؟

آج کے ہندوستان میں گائے کے تقدس سے جڑی بہت سی باتوں کی طرف دھیان دیں تو کسی بھی ذی شعور کے لیے انھیں قبول کرنا اتنا سہل نہیں ہے۔نمونے کے طور پر یہاں ایک دو باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ۷ر نومبر ۱۹۶۶ء کو بہت سی ہندو تنظیموں نے مل کر دہلی میں پارلیمنٹ کے سامنے جلوس نکالا اور گائے کے ذبیحہ پر قانونی پابندی لگانے کی مانگ کی۔وزیر اعظم اندرا گاندھی نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا جس کے نتیجے میں حالات اس قدر بگڑ گئے کہ بپھرے ہوئے مظاہرین کو قابو میں کرنے کے لیے پولیس کو گولی چلانا پڑی۔کئی 'سادھو' مارے گئے اور اس وقت کے وزیرِ داخلہ گلزاری لعل نندا کو استعفیٰ دینا پڑا۔(۹)

گائے کے تقدس کے حوالے سے براہمن ذہنیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک وقت تھا جب ہندوستان میں گائے کو مارنے پر سزائے موت لاگو تھی۔۱۹۶۰ء کی دہائی تک سڑک کنارے پیدل چلتے ہوئے کسی شخص کو ایکسیڈنٹ سے مارنے پر تین مہینے کی قید بھگتنا پڑتی تھی جبکہ گائے کو صرف زخمی کرنے پر ایک سال کی قید اور جان سے مارنے پر عمر قید کی سزا ہوتی تھی (۱۰)۔اس کو تو پرانی بات کہا جا سکتا ہے لیکن مارچ ۲۰۱۰ء میں ہندوستانی صوبے کرناٹکا کی اسمبلی میں Karnataca Prevention of Slaughter and Preservation of Cattle Bill 2010 کے عنوان سے ایک قانون پاس ہوا ہے جس کی رو سے گائے کو ذبح کرنے پر کم از کم ایک سال سے لے کر سات سال تک قید یا پچیس ہزار سے پچاس ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں ہو سکتے ہیں۔ جو کوئی دوسری دفعہ یہ ''جرم'' کرے تو اس کے لیے جرمانے کی رقم پچاس ہزار سے ایک لاکھ روپے اور سات قید کی سزا۔ ہندوستان کی کچھ ریاستوں گجرات، مدھیا پردیش، چھتیس گڑھ اور جموں کشمیر میں ایسا قانون پہلے سے ہی رائج ہے۔(۱۱)

اب تو ہندوستان کے کئی دانشور بھی براہمنوں کے اس پاکھنڈ کو بے نقاب کرنے کے جتن کرتے دکھائی دیتے ہیں:

"In no other part of the world has the (wild) buffalo

been domesticated and used to yield milk and hence

curd, butter and ghee. Yet the buffalo, according to Ilaiah, is not revered as a national animal, but the cow is. why? Because the buffalo is black. Ilaiah agrues that we must posit buffalo nationalism(which represents dark/ dravadian-ness) against the cow nationalism of the Brahamanical forces."(12)

سندھ وادی میں بھینس کو شروع سے ہی بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ کسی بھی مذہبی وابستگی کے بغیر پنجاب کے باسی گائے کے مقابلے میں بھینس کو ہی زیادہ پسند کرتے اور سراہتے آئے ہیں۔ پنجابی ادب میں بھینس کے ذکر کے بارے میں بات کریں تو لوک ادب سے لے کر قصہ ادب اور کلاسیکی ادب میں شاعروں اور قصہ کاروں نے بھینس کی ایسی تصویر کشی کی ہے کہ پڑھنے والے کے تصور میں بھینس پریوں سے زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگتی ہے۔ سوہنی کا عاشق عزت بیگ بھینسیں چرانے کی وجہ سے مہینوال بن گیا اور دھید و رانجھے کو بھی بھینسیں چرانا پڑیں۔ پنجاب کے یہ دونوں رومانی قصے سینکڑوں شاعروں نے لکھے اور یوں بھینس کا حسن پنجابی ادب کا ایک باقاعدہ موضوع بن گیا۔ پنجاب میں آج بھی بھینسوں کے لیے لکھے جانے والے ڈھولے ہر دلعزیز ہیں۔ بھینسوں کے ڈھولوں کی وجہ سے مشہور کیما ڈھاڈی ایک جگہ بھینس کے حسن کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''کئیں کیلیاں، کالیاں، بھبھاسیاں، اڈیاں، بگیاں تے چُورکڈھیاں
جیوں چُوڑا سوہندا ہے نورنی نارنوں
نھا کے دریا چوں نکلیاں ہن، جیویں شیشے سوہن بازار نوں
پچھلی راتیں کھاریں لگھ کے دیون گُنکاں تے دُھنکاں
الاپے آسا، بھیروں، پیلوں، پہاڑی، رام کلی تے میگھ ملھار نوں'' (۱۳)

پنجابی لوک وار کار میر چوغطہ ایک وار کے ''وچار'' میں بھینس کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:

''بھاگ مجھ کیہو جیہی ہائی؟ جیویں سلھیٹیاں اچ ہیر، ٹمن دے برچھے ہاٹھ اچ ہوندن۔ جیویں رُکھاں چوں توریاں آلی ٹاہلی۔ ٹِھلھاں چ کڑانہ ہے۔ بھاگ مجھ ایہو جیہی ہائی۔ دِلے دی ہینہہ نال بجھدی ہائی۔ کولی دا وال ہا۔ بھاگ مجھ دا چونا ساون ماہ دا ہڑھ۔ بھاگ دودھوں کدی ناہی سُکدی۔ جیویں پھتو دا سر، سراں دے وچوں سوکا کدی نہ آیا۔ بھاگ مجھ نوں دودھ دا سوکا کدی نہ آیا۔''(۱۴)

بھینس کے ساتھ پنجابیوں کا پریم کوئی آج کی بات نہیں۔ پنجابی کے پہلے باقاعدہ شاعر اور انسان دوستی کے علم بردار بابا فریدؒ کے ہاں بھی بھینس کے دودھ کا ذکر ربی نعمتوں کے طور پر ملتا ہے:

فریدا شکر، کھنڈ، نوات، گُڑ، ماکھیوں، ماجھا دودھ (۱۵)

پنجاب میں شروع سے ہی بھینس کو ایک قابل فخر سرمایہ سمجھا گیا ہے، عزت اور شان کی علامت، چناب کے علاقوں میں آج بھی بھینس کی چوری کو مالی نقصان سے زیادہ عزت کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ مالی نقصان تو قابلِ برداشت ہے لیکن بھینس کی چوری مالک کی عزت پہ بٹا ہے۔ اس کی تلافی کے لیے جنگ چھڑ سکتی ہے، جانیں جا سکتی ہیں۔ پنجابی کے لوک وار لکھاری میر چوغطہ ''ڈلیر یاں اعواناں دی وار'' میں اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

''گاں دار یڈھ ہووے چھاں دی کدھی تے کنونی نوں کُھرک۔ مجھ دار یڈھ ہووے پُھکر دے

ٹوٹے، کلیجے نوں دھک، گاٹے دی رت، عمر نوں ورھیوں۔''(۱۶)

یعنی گائے کی چوری ایسے ہے جیسے کان کُھجانا جبکہ بھینس کی چوری جگر کے ٹکڑے ہونا شہ رگ کٹ جانا یا عمر بھر کا روگ ہے۔

اب کرشن مہاراج اور رانجھے کے درمیان مشترکہ اوصاف کی بات کرتے ہیں۔ ہندومت کے مطابق کرشن وشنو کا اوتار ہے، جو خلقِ خدا کو کنس کے مظالم سے چھٹکارا دلانے آیا۔ کرشن نے آہستہ آہستہ لوگوں کو ان رائج باتوں اور عقائد کے خلاف ابھارنا شروع کیا جو گمراہ کن اور ظلم یا ناانصافی کی ترویج میں مدد دینے والے تھے۔ مثال کے طور پر اس سے جڑی بہت سی کہانیوں میں سے ایک کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ورنداون کے باسیوں کو سمجھایا کہ وہ ہر سال اپنی املاک اور مال و دولت کو اِندر کے آگے لٹانے کی بجائے اپنے مویشیوں اور گردونواح پر دھیان دیں جہاں سے ان کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی ہیں۔ یہی کہانی ایک اور طرح یوں بھی بیان کی جاتی ہے کہ اس نے لوگوں سے کہا کہ اندر کی بجائے اس پہاڑ کی پوجا کریں۔ اس بات پر اِندر بہت غضب ناک ہوا اور اس نے بہت زور آور طوفان بھیجا۔ کرشن نے پہاڑ کو اٹھایا اور چھتری کی طرح ورنداون کے اوپر تان دیا۔ سات دن اور سات راتیں آسمان سے پانی برسا لیکن ورنداون کے لوگوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ کرشن کی طرف سے چلائی گئی روحانی لہر میں اتنی جان تھی کہ اس نے لوگوں کو اِندر جیسے ویدی دیوتا کے خلاف سوچنے کی ہمت دی۔

یہیں ہم رانجھے اور کرشن کی ذات میں پہلی مشترکہ خصوصیت دیکھتے ہیں۔ رانجھا بھی جگہ جگہ رائج ریت رواج سے بغاوت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا ظاہری حلیہ، اس کی مصروفیات اور سارے کا سارا سفر ایک کٹر مذہبی سوچ کے حساب سے سراسر غیر شرعی ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی مثال رانجھے کا مسلمان ہوتے ہوئے بھی جوگ لینے ایک ہندو جوگی کے پاس جانا ہے۔ رانجھے کا مولوی کے ساتھ مسجد میں پہلا ٹاکرا ہی بہت بھرپور اور دلچسپ ہے۔ اسی ملاقات اور مذاکرے میں اس کی ایک ایسی تصویر ابھرتی ہے جہاں وہ صرف ایک عاشق یا مسافر کی بجائے دلائل سے مخالف کو قائل کر لینے والا یا چُپ کرا دینے والا ایک دانشور لگتا ہے۔ ریت رواج کے دھارے میں بہتی خلق مذہب کے معاملے میں کوئی سوال اٹھانے کو بھی گناہ سمجھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مُلا کا بتایا ہی دین بن جاتا ہے۔ اس کی ہر جائز و ناجائز بات کو من وعن تسلیم کرنے کا ایک قدیمی سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ سوالوں کی اس ممانعت کے پیچھے ہی مُلا (اور براہمن) کا کردار چھپا بیٹھا ہے۔ اگر کبھی یہ بے نقاب ہو جائے تو مذہب کا نقشہ ہی بدل جائے۔

ورِندا اور رادھا کے علاوہ کرشن کی ۱۶۱۰۸ بیویاں بتائی جاتی ہیں۔ ان میں سے کئی پریاں اور حوریں بھی تھیں۔

کرشن کی شخصیت میں اتنی کشش تھی کہ جو دیکھ لیتی دل دے بیٹھتی۔ رانجھے میں ہمیں یہ کشش تقریباً سبھی ہیر نگاروں کے ہاں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہے۔ اس نے کرشن کی طرح ہزاروں بیاہ تو نہ رچائے لیکن پورے قصے میں وہ صنفِ لطیف کے دلوں پر حملہ آور دکھائی دیتا ہے۔ جہاں جاتا ہے کوئی نا کوئی اس پر عاشق ہو جاتی ہے۔ رانجھے کی طرف صنفِ مخالف کے اس جھکاؤ کا پہلا ثبوت ہمیں اس کی بھابیوں کی اس بات سے ملتا ہے:

رناں ڈِگدیاں وکھ کے چِھیل مُنڈا، جیویں دودھ وچ مکھیاں پھسدیاں نیں (۱۷)

اس بات سے اس کے حسن کی ایسی شبیہہ ابھرتی ہے جس میں آگے چل کر اور بھی رنگ بھرتے جاتے ہیں۔ حسن کے ساتھ ساتھ اس کے پاس بانسری کا جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اس کی مثالیں پورے قصے میں دکھائی دیتی ہیں۔ جب لُڈن ملاح رانجھے کو مفت کشتی میں سوار کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو وہ ایک طرف بیٹھ کر بانسری بجانے لگتا ہے۔ جس جس کے کان میں اس بانسری کی آواز پڑتی ہے وہ اس کے گرد جمع ہوتا جاتا ہے۔ اچھا خاصا مجمع لگ جاتا ہے۔ اس مجمعے میں لُڈن ملاح کی دو بیویاں بھی ہیں وہ بھی رانجھے کی من موہنی صورت اور بانسری کے جادو کے سامنے دل ہار جاتی ہیں اور اس کی خاطر تواضع میں لگ جاتی ہیں۔ لُڈن بیچارے کو مدد کے لیے لوگوں کو پکارنا پڑتا ہے:

پنڈا باہوڑی جٹ لیجاگ رنا، کیہا شغل ہے آن جگا بیٹھا (۱۸)

رانجھے کے حسن کا جادو سب سے بڑھ کر وہاں دکھائی دیتا ہے جہاں اس کی ہیر سے پہلی ملاقات ہوتی ہے۔ کسی کو جوتے کی خاک برابر نہ سمجھنے والی ہیر پہلی ہی نظر میں اس کی کنیز بننے کی خواہش ظاہر کرتی ہے:

ہتھ بدھڑی رہاں غلام تیری، سنے ترنجناں نال سہیلیاں دے (۱۹)

کرشن کے بارے میں بہت سی روایات ملتی ہیں کہ وہ مُرلی بجاتا تھا تو گوپیاں گھر بار، کام کاج چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیتی تھیں۔ یہی کام رانجھا کرتا تھا یعنی ہر خاص و عام کو بانسری کے جادو سے اپنا ہم نوا بنا لینا۔ پنجابی میں قصہ ہیر کے بانی دمودر نے تو کئی جگہ رانجھے کے لیے کرشن کا استعارہ بھی استعمال کیا ہے۔ ہیر کی شادی کے بعد رانجھا بیلے میں جاتا ہے۔ ہیر کو یاد کرتا ہے اور روتا ہے، بانسری بجانا شروع کر دیتا ہے۔ بانسری کی مدھر آواز سن کر ہیر کی سہیلیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ ان کے آنے میں جو خود سپردگی کی کیفیت ہے اس کی تصویر کشی دمودر نے بہت خوبصورتی سے کرشن کے استعارے کے ذریعے کی ہے:

آکھ دمودر کتھوں دھیرن، گوپیاں کرشن بلائیاں (۲۰)

کرشن رادھا کا دیوانہ تھا۔ رانجھے کا کردار بھی اس حوالے سے کرشن سے ملتا ہے۔ لگ بھگ سبھی ہیر نگاروں نے پہلی نظر میں رانجھے کے سامنے جوان لڑکیوں کے دل ہارنے کی بات کی ہے لیکن رانجھا، ہیر کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچنے کو بھی گناہ سمجھتا تھا۔ کرشن کو تو دیومالائی کردار بنا کر ہزاروں شادیاں کروا دی گئیں، پر سچی بات تو یہ ہے کہ پاک و ہند میں آج بھی ایک سے زائد شادیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ مسلمانوں کے ہاں ایک وقت میں مرد کو چار بیویوں کی شرعاً تو اجازت ہے لیکن حقیقت میں دوسری شادی کرنے کے عمل کو بالکل بھی قابلِ تعریف نہیں کہا جاتا، شاید اس لیے کہ یہاں کی مٹی میں وفا کا جو تصور ہے وہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔

کرشن کی ذات سے بہت سے چمتکار منسوب ہیں۔ایک دفعہ ایک لڑکی جو کسی جسمانی معذوری کا شکار تھی،شاہی محل کے لیے خوشبو لے کے جا رہی تھی۔کرشن نے اس سے خوشبو مانگی اور اس نے دے دی۔کرشن مہاراج خوش ہوئے اور اس کی معذوری دور کر کے اسے بھر پور جوان اور خوبصورت دوشیزہ بنا دیا۔کرشن تو دیو مالائی کردار بن چکا تھا۔اس کی ذات سے چمتکار منسوب کرنا براہمن کی مذہبی ضرورت تھی لیکن قصہ ہیر میں ہم دیکھتے ہیں کہ رانجھا ایک سیدھا سادھا جاٹ ہو کر بھی کرامتیں دکھاتا ہے۔دمودر نے رانجھے کی ذات سے بہت سی کرامتیں منسوب کی ہیں۔ہیر کے باپ چوچک کے ساتھ پہلی ملاقات میں ہی رانجھا صرف دودھ پی کر بھینس کے رنگ روپ اور حسب نسب کی تفصیل یوں بیان کرتا ہے کہ سیال حیرت میں جکڑے جاتے ہیں:

تریجے سوئے تے رنگ رتی، متھے پھُلی ناہیں
کٹی چھیاں مانہہ دی سٹی، ماجھی گیا کدائیں
کھاہدی جیر لڑی وچ بیلے، نہ کھسم نہ سائیں
تس دا دودھ پوائیو مینوں، اجے نہ گڑھی کدائیں (۲۱)

وارث شاہ کے قصہ ہیر میں ہیر کی نند سہتی پہلے تو جی بھر کے رانجھے سے لڑائی کرتی ہے لیکن بالآخر مان جاتی ہے اور مصالحت کے لیے نذر نیاز لے کر رانجھے کے پاس جاتی ہے جو اس وقت جوگی کے روپ میں گاؤں کے باہر خیمہ زن ہے۔یہاں جوگی کے روپ میں رانجھے کی بہت بڑی کرامت ظاہر ہوتی ہے۔سہتی شکر اور ملائی کا تھال بھر کے اسے کپڑے سے چھپاتی ہے اور اُوپر پانچ روپے نقدی کی صورت میں رکھتی ہے۔راستے میں اسے خیال آتا ہے کہ کیوں نہ جوگی کے درجۂ معرفت کا امتحان لیا جائے۔سہتی جوگی کے پاس پہنچتی ہے۔سلام کرتی ہے۔کوئی جواب نہیں آتا۔یہاں پھر دونوں کے درمیان اچھی خاصی تکرار ہوتی ہے۔سہتی اسے کہتی ہے کہ میں تو تب تجھے فقیر مانوں جو یہ بتاؤ کہ اس تھال میں کیا ہے؟ رانجھا کہتا ہے اس میں شکر اور چاول ہیں اور اوپر پانچ پیسے نذر کے ہیں۔یہ سن کر سہتی تمسخرانہ انداز میں ہنستی ہے۔فقیر جلال میں آ جاتا ہے۔سہتی کپڑا ہٹاتی ہے تو کرامت ظاہر ہو چکی ہوتی ہے۔

سہتی کھول کے تھال جاں دھیان کیتا، کھنڈ چاولاں دا تھال ہو گیا
چُھٹا تیر فقیر دے معجزے دا، وچوں کُفر دا جیو پرو گیا
جیہڑا چلیا نکل یقین آہا، کرامات نوں ویکھ کھلو گیا
گرم غضب دی آتشوں آب آہا، برف کشف دے نال کھلو گیا (۲۲)

کرشن کی بیویوں میں سے کچھ آریائی تھیں اور کچھ مقامی۔یہ شادیاں آریاؤں اور دیسی قبائل کے اختلاط/انضمام کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں اور یوں سماج میں وارد ہو رہی ایک بہت بڑی تبدیلی کی خبر بھی دیتی ہیں۔پنجابی ادب میں رانجھے کا کردار تخلیق تو دمودر کی ہے لیکن وارث شاہ تک آتے آتے یہ سماج میں ایک منفرد مقام حاصل کر چکا تھا۔وارث شاہ کا قصہ ہیر صرف ایک رومانی قصہ ہی نہیں رہا بلکہ اس میں اس دور کے سماجی، مذہبی، سیاسی اور معاشرتی حوالوں نے اسے ایک قابلِ بھروسہ تاریخی دستاویز کا روپ دے دیا۔وارث شاہ کا رانجھا اٹھارھویں صدی کا کردار ہے جب پنجاب

میں سماجی سطح پر بہت سی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ روایتی طبقاتی تقسیم کی بنیادیں کھوکھلی ہو رہی تھیں اور پنجاب زرعی سے صنعتی معاشرے کی طرف قدم بڑھانے کی تیاری کر رہا تھا۔ کرشن کو معاشرے میں تبدیلیاں لانے کے لیے لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ اس نے قتال بھی کیا جبکہ رانجھا ہتھیاروں کی بجائے فلسفیانہ ڈھنگ سے سماج کے بڑے بڑے ستونوں، مذہبی کٹڑ تا، نئے ابھر رہے ساہوکار طبقے اور زمین جائیداد کی غیر منصفانہ تقسیم کے قوانین کے بارے میں بحث کا آغاز کرتا ہے۔ وہ سیدھی سادھی اور استحصالی طبقوں کے ظلم کا شکار عوام کے ذہنوں میں سوال پیدا کرتا ہے۔ رانجھے کی اپنے بھائیوں، قاضی، مُلا اور ملاح سے بات چیت اچھی خاصی فلسفیانہ بحث ہے اور غیر منصفانہ معاشرے کے عیبوں کو بے نقاب کرنے کی مثالیں بھی۔

رانجھے اور کرشن کے درمیان اتنے مشترکہ اوصاف کے بعد ایک اختلافی وصف کی طرف اشارہ کرنا بھی برمحل ہو گا۔ کرشن مقصد کے حصول کے لیے موقعے پر جھوٹ بولنے یا تھوڑی بہت دھوکہ دہی کو برا نہیں سمجھتا تھا۔ اس کی ایک واضح مثال وہاں دیکھی جا سکتی ہے جہاں کرشن کی سب سے لاڈلی محبوبہ رادھا کی نندا اپنے شوہر کو خبردار کرتی ہے کہ تمہاری بیوی کا چال چلن ٹھیک نہیں ہے۔ رادھا کو پتہ چلتا ہے کہ ایانا گوش (رادھا کا شوہر) اس کی حقیقت جان چکا ہے تو وہ ڈر جاتی ہے کہ ایانا گوش اسے جان سے مار دے گا۔ اس نے اپنی چنتا کرشن پر ظاہر کی تو کرشن نے اسے تسلی دی کہ جب تمہارا گھر والا ادھر آئے تو میں روپ ہی بدل لونگا۔ ایسے ہی ہوا۔ جب ایانا گوش بہت غصے میں وہاں پہنچا تو اس نے رادھا کو کالی دیوی کی گود میں دیکھا۔ اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پیار میں جھوٹ بولنا کرشن کے نزدیک غلط یا ناجائز نہیں تھا۔ دوسری طرف جب ہم رانجھے کے کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس کے پاس کتنے ہی ایسے مواقع آئے جب وہ بہت سہولت اور آسانی سے ہیر کو بھگا کر لے جا سکتا تھا، لیکن اس نے اخلاقی اقدار کا خیال رکھتے ہوئے ایسا نہ کیا۔ بلکہ ایک دفعہ تو ہیر نے خود اسے یہ مشورہ دیا۔ یہاں رانجھے کا ہیر کو جواب عشق کی اعلیٰ اخلاقی قدر کے طور پر محفوظ ہو گیا۔

ہیر ے عشق نہ مول سواد دیندا ، نال چوریاں اتے ادھالیاں دے **(۲۳)**

ہماری دانست میں یہاں رانجھا فاتح بن گیا ہے۔ کوئی اگر یہ اعتراض کرے کہ رانجھا اگر ایسا ہی بلند اخلاق اور مثالی کردار تھا تو ہیر کی شادی کے بعد اس نے ایک شادی شدہ عورت کو کیوں ورغلایا اور گھر سے بھگایا تو اس کا جواب ہمارے خیال میں بہت سیدھا اور آسان ہے کہ ہیر کا سیدے کھیڑے سے نکاح ہی غیر شرعی تھا۔ نکاح کے لیے لڑکی کا برضا و رغبت شادی کے موقع پر ہاں کرنا یعنی ایجاب و قبول اسلامی اصولوں کے مطابق نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر نکاح کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ ہیر نے تو اس نکاح کو شروع سے ہی قبول نہیں کیا تھا۔ اس طرح وہ سیدے کھیڑے کے گھر حبسِ بے جا میں تھی۔ رانجھے نے تو ایک ظالم کے مقابلے میں مظلوم کا ساتھ دیا۔ اس کی جان چھڑوائی اور ایک عورت کو اس کا شرعی حق یعنی اپنی مرضی سے جیون ساتھی منتخب کرنے کا موقع دیا۔

حوالہ جات

1. Ralph, T. H, Griffith, Hymns of Rgveda, Vol.II (N ew Delhi: Munshriam, Manoharlal Publishers, 1987), p. 318
2. Griffith, 8
3. W.J, Wilkins, Hindu Mythology (London: Curzon Press, 1974), p. 308

۴۔ سعید بُھٹا،دیس دیاں واراں،(لاہور: پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف لینگویج آرٹ اینڈ کلچر،۲۰۰۷ء)،ص۳۰۹

5. Wilkins, p.449
6. Grifffith, p.21
7. Water Buffalo: An Asset Undervalued <http://www. apcha.org/ publications/files/w_buffalo.pdf>Accessed July 16.2011
8. Water Buffalo <http://en.wikipeida.org/wiki/water_buffalo> Acccessed july 30, 2011.
9. 1966 anti_cow slaughter agitation <http://en.wikipedia.org/wiki/ 1969_anti_cow_slaughter_agitation>Accessed July 16,2011
10. Cattle <http://en.wikipedia.org/wiki/cow> Accessed June 30, 2011.
11. Cow Slaughter Bill Passed in Karnataka Assembly <http://www. deccanherald.com/ content 58978/cow-slaughter _ban_ bill_ passed. html> Accessed June 29, 2011.
12. Bangaru Laxman as Human & Buffalo nationalism <http://www. ambedkar.org/news/hl/laxmans.html> Accessed Jun 25 2011

۱۳۔ سعید بُھٹا،کمال کہانی،(لاہور: سانجھ،۲۰۰۶ء)،ص۱۶۱

۱۴۔ سعید بُھٹا، دیس دیاں واراں،ص۳۳۳

۱۵۔ بابا فرید، آکھیا بابا فرید نے،(لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ،۱۹۷۸ء)،مرتبہ: محمد آصف خاں،ص۱۷۰

۱۶۔ دیس دیاں واراں،ص۳۳۰

۱۷۔ وارث شاہ، ہیر سید وارث شاہ(لاہور: پنجابی ادبی اکیڈمی،۱۹۶۰ء)،مرتبہ: شیخ عبدالعزیز،ص۱۶

۱۸۔ وارث شاہ،ص۴۶۰ ۱۹۔ وارث شاہ،ص۶۹

۲۰۔ دمودر،ہیر دمودر،(لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ،۱۹۸۶ء)،مرتبہ: محمد آصف خاں،ص۱۹

۲۱۔ دمودر،ص۱۰۰ ۲۲۔ وارث شاہ،ص۵۹۱ ۲۳۔ وارث شاہ،۱۹۴